ایک حدیث

حقوق العباد

بزار نے حضرت انسؓ سے حضور اکرم کا ایک ارشاد یوں نقل کیا ہے:

الظلم ثلاثة: ظلمٌ لا یغفره الله وظلم یغفر الله وظلم یترکہ الله فاما الظلم الذی لا یغفر الله الشرک ان الشرک لظلم عظیم واما الظلم الذی یغفر الله فظلم العباد لانفسهم فیما بینهم وبین ربهم واما الظلم الذی لا یترکہ الله فظلم العباد بعضهم بعضاً حتی یدین لبعضهم من بعض۔

ظلم تین طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ ظلم ہے جسے اللہ تعالیٰ نہیں بخشے گا۔ دوسرا وہ جسے بخش دے گا اور تیسرا وہ جس کا بدلہ لئے بغیر اللہ تعالیٰ نہیں چھوڑے گا۔ جو ظلم وہ نہیں بخشے گا وہ ہے شرک۔ اور شرک تو بہت ہی بڑا ظلم ہے۔ اور جس کو بخش دیگا وہ وہ ظلم ہے جو بندے اپنے اوپر آپ کرتے ہیں اور ان کا تعلق ان کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہوتا ہے۔ رہا وہ ظلم جسے اللہ تعالیٰ نہیں چھوڑے گا تو یہ ظلم ہے جو بندے باہم ایک دوسرے پر کرتے ہیں۔ اسے اس وقت تک نہیں چھوڑے گا جب تک ایک کو دوسرے کا بدلہ نہ دلا دے۔

اس کی تشریح سننے سے پہلے ایک ضروری چیز سن لینی چاہئے اور وہ یہ ہے کہ یہ حدیث سند کے اعتبار سے زیادہ قوی نہیں لیکن ہم اس سے بھی کمتر درجے کی سند کو چند وجوہ سے قبول کر لیتے ہیں۔ وہ وجوہ یہ ہیں:

(۱) کمزور سند والی احادیث کے مضمون کی تائید اگر دوسری قوی روایات سے بھی ہوتی ہو تو انہیں قبول کر لینے میں کوئی حرج نہیں۔ زیر بحث حدیث میں حقوق العباد کا جو پہلو بیان کیا گیا ہے وہ ایسا نہیں جو دوسری صحیح و قوی روایات میں موجود نہ ہو۔ حقوق العباد کے متعلق اتنی کثرت سے روایتیں موجود ہیں کہ اگر ان سب کو سامنے رکھ کر دیکھا جائے تو زیر نظر روایت کی اسپرٹ ان کے مطابق نظر آئے گی۔ بلکہ قرآن پاک سے بھی اس روایت کے مجموعی مضمون کی تائید نکلتی ہے۔ ارشاد قرآنی ہے کہ:

ان الله لا یغفر ان یشرک به ویغفر ما دون ذلک لمن یشاء

اللہ تعالیٰ شرک کو تو نہیں بخشے گا البتہ اس سے کمتر گناہوں کے جس مرتکب کو وہ چاہے گا مغفرت فرما دے گا۔

یہاں لمن یشاء (جس کو وہ چاہے گا) قابل غور ہے اور اسی کی تشریح زیر بحث حدیث میں ہے۔

(۲) محدثین کے نزدیک روایت کی ایک قسم "معلّل" بھی ہے جس کی تعریف وہ یوں کرتے ہیں:

اسناد فیه علل واسباب غامضة خفیفة قادحة فی الصحة یتنبه لها الحذاق المهرة من اهل هذا الشان

کارسال فی الموصول ووقف فی المرفوع ونحو ذلك وقد یقتصر عبارة المعلل (بکسر اللام) عن اقامة الحجة علیٰ دعواہ کالصیرفی فی نقد الدینار والدرھم۔ (مقدمۂ مشکوٰۃ المصابیح صفحہ)

معلل ایسی اسناد[1] ہے جس میں کوئی ہلکی اور باریک قسم کی ایسی خرابی ہو جس کی وجہ سے اس کی صحت مشتبہ ہو جائے اور فن حدیث و رجال کے ماہرین اسے بھانپ لیں مثلاً حدیث متصل ہو لیکن اس میں "ارسال" کا شبہ ہو یا بظاہر مرفوع ہو مگر موقوف نظر آئے۔ معلل اس کی علت کو تو بھانپ لیتا ہے لیکن اپنے دعوے پر تسلی بخش دلیل نہیں دے پاتا۔ گویا ایک صراف کی طرح دینار و درہم کو پرکھ لیتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اس کی سند یا متن میں بظاہر کوئی ایسی خامی نظر نہیں آتی جسے وہ منطقی استدلال سے ثابت کر سکے لیکن مزاولت و ممارست سے اس فن کار میں ایک ایسا وجدانی ملکۂ راسخہ پیدا ہو جاتا ہے کہ اندر سے اس کا دل پکار اٹھتا ہے کہ یہ روایت صحیح نہیں۔ اگر ایک فنکار کی مہارتِ فن اسے اس بلند مقام پر پہنچا دے جہاں عقلی استدلالات سے بالاتر ہو کر وہ کھرے کھوٹے میں تمیز کر سکے تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ جہاں بہت سے زرگر کسوٹی کی مدد سے کھرے کھوٹے میں امتیاز کر لیتے ہیں وہاں کچھ ایسے نظرباز بھی ہیں جو دور سے دیکھ کر یا اپنے ہاتھ میں لے کر کسوٹی پر پرکھے بغیر ہی بتا دیتے ہیں کہ یہ سونا خالص ہے یا اس میں ملاوٹ ہے۔ دنیا کے ہر فن میں اس قسم کے ماہر حاذق موجود ہیں اور تجربہ و مشاہدہ اس کی تائید سے خالی نہیں۔

یہ درست ہے کہ حدیث معلل کی اس تعریف نے کئی "حاملان نورِ بصیرت" اور "مزاج دان نبوت" پیدا کر دئے ہیں لیکن اس وجدانی ملکۂ راسخہ و مہارتِ فن کے وجود سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ ہر "معقول مسلمان" اپنی بضاعت و استطاعت کے مطابق یہ "نورِ بصیرت" اور یہ "مزاج شناسی رسالت" کچھ نہ کچھ رکھتا ہے۔

اس وقت اس بحث کو طول دینا مقصود نہیں۔ میرے موضوع سے یہ بحث سردست خارج ہے۔ بات کچھ اور کہنی ہے اور وہ یہ ہے کہ جب ایک صحیح سند و متن کی روایت معلل ہو سکتی ہے تو اسی اصول کی بنا پر قدرے ضعیف سند کا متن مقبول بھی ہو سکتا ہے خصوصاً ایسی صورت میں جبکہ کتاب اللہ سے اس کا کوئی تناقض نہ ہو اور دوسری صحیح روایات کی روح اور اسپرٹ اس کی تائید کرتی ہو۔ مطلب یہ ہے کہ صرف عام اصول جرح و تعدیل کی لفظی پیروی ہی صحت و سقم کا فیصلہ نہیں کرتی بلکہ ایک برتر حقیقت اور بھی ہے جسے ذوق سلیم کہتے ہیں۔

(۳) اس سلسلے میں دو قابلِ غور حدیثیں بھی ایسی ہیں جو کسی روایت کے رد و قبول میں بڑی مدد دیتی ہیں۔ ایک یہ ہے کہ:

۱۔ ماجاءکم عنی من خیر قلتہ او لم اقلہ فانا اقولہ وما اتاکم من شر فانی لا اقول الشر۔

(احمد بزار بلین عن ابی ھریرۃ)

---

[1] یہ خامی صرف اسناد ہی میں نہیں ہوتی متن میں بھی ہوتی ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے "مقدمۂ ابن صلاح ص۴۲"

تمہارے پاس میرے نام سے خیر کی کوئی بات آئے تو خواہ میں نے وہ کہی ہو یا نہ کہی ہو تم سمجھ لو کہ وہ بات میری ہی زبان سے نکلی ہے اور اگر کوئی شر کی کوئی بات ہو تو سمجھ لینا چاہئے کہ میں شر کی کوئی بات کہتا ہی نہیں۔[۱]

۲۔ اذا سمعتم الحدیث عنی تعرفہ قلوبکم وتلین لہ اشعارکم وابشارکم وترون انہ منکم قریب فانا اولاکم بہ واذا سمعتم الحدیث عنی تنکرہ قلوبکم وتنفر اشعارکم وابشارکم منہ وترون انہ منکم بعید فانا ابعدکم منہ (احمد، بزار عن ابی حمید وابی اُسید)

میری حدیث سُن کر اگر تمہارا وجدان تسلیم کر لے اور تمہارے بالوں اور کھالوں میں نرمی پیدا ہو جائے اور تمہیں محسوس ہو کہ یہ تمہارے ذوقِ سلیم سے قریب ہی ہے تو اس حدیث سے تم سب کی نسبت میں زیادہ قریب ہوں اور اگر اسے تمہارا وجدان قبول نہ کرے اور تمہارے بالوں اور کھالوں میں اس سے نرمی نہ پیدا ہو اور تم کو اپنے ذوقِ سلیم سے بعید معلوم ہو تو ایسی حدیث سے تم سب کی نسبت مین زیادہ دور ہوں۔

ان دونوں روایتوں نے کسی روایت کی صحت و سقم اور رد و قبول کے لئے بڑا ہی لطیف معیار عطا کیا ہے۔ ان سے جہاں حدیث معلّل کی تائید نکلتی ہے وہاں قبول ضعاف کا پہلو بھی پیدا ہوتا ہے۔ درحقیقت اصول جرح و تعدیل وغیرہ بھی ایک ایسا عقلی معیار ہے جس کا مقصد ہی جوہری نگاہ اور سلامتِ ذوق پیدا کرنا ہے۔ اگر ان علوم سے مذاقِ سلیم نہ پیدا ہو تو ایک انسان علومِ حدیث کا علامہ ہونے کے بعد بھی ویسا ہی کورا رہتا ہے جیسے بعض حکیم و طبیب ساری کتبِ طب پڑھ لینے کے بعد بھی طبیب نہیں ہوتے بلکہ ساری عمر متطبّب ہی رہتے ہیں۔ یہی حال تمام علوم و فنون کا ہے۔ ہم نے بہت سے "اہلِ قرآن" بھی ایسے دیکھے ہیں جو ساری عمر مطالعۂ قرآن کے باوجود قرآنی اسپرٹ کو سمجھنے سے قاصر رہے۔ اسی طرح کتنے "اہلِ حدیث" نظروں سے گزرے رہیں۔ جو بہت سے "فقیہانِ شہر" کی طرح صرف "لغتہائے حجازی کے خرانچی" تو ہو گئے مگر مذاقِ سلیم کی بلندیوں کی طرف پرواز کرنے سے معذور ہی رہے۔ ہم اپنی تلخ نوائیوں کے لئے آپ سے معذرت خواہ ہیں۔ ضرورت کے وقت ہم انشاءاللہ اس کی بے شمار دلچسپ مثالیں بھی پیش کرنے کی اجازت چاہیں گے۔

ہاں تو عرض یہ کرتا تھا کہ زیرِ بحث حدیث کے مضمون کو ذوقِ سلیم کی عینک لگا کر دیکھئے۔ صرف سند کی صحت و سقم پر نظر نہ رکھیئے۔ اس ارشادِ نبویؐ میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ مذکورۂ بالا آیت قرآنی (ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ..... الخ) کی لاجواب تشریح و تفسیر ہے۔ اس میں تین قسم کے "ظلم" بیان کئے گئے ہیں:

(۱) خدا کے ساتھ ظلم یعنی شرک کیونکہ (ان الشرک لظلم عظیم) شرک بہت بڑا ظلم ہے اور خدا اسے نہیں بخشے گا (ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ) الا آنکہ مشرک قبل از موت اپنے شرک سے تائب ہو جائے اور عملاً اپنی اصلاح کرے۔

---

[۱] اس کا مقصد یہ ہے کہ ہر کلمۂ خیر احادیث رسول میں موجود ہے خواہ ہم تک نہ پہنچ سکا ہو اور غلط باتیں رسولؐ پر بہتان ہیں خواہ اسے کوئی بھی حضورؐ کی طرف منسوب کرے۔

(۲) اپنی ذات کے ساتھ ظلم: ایسا ظلم جس کا تعلق صرف اپنی ہی ذات تک محدود ہو اور کسی بندۂ خدا کو اپنی لپیٹ میں نہ لے۔ اس قسم کا ظلم وہ معاصی ہوتے ہیں جو صرف اس کے اور خدا کے درمیان ہوتے ہیں۔ ایسے ظلم پر اگر اسے ندامت ہو جب بھی اس کا شمار توبہ میں ہے۔ یہ توبہ واصلاح اس کے ظلم کی مغفرت کا سبب بن جائے گی۔ اگر توبہ کا موقع نہ پائے تو اس کے بغیر بھی اللہ تعالیٰ اس کی دوسری نیکیوں کے طفیل اس کا ظلم معاف کر سکتا ہے۔

(ہم ثقافت بابت اکتوبر ۱۹۵۶ئ میں "توبہ کا وقت کب تک ہے" کے عنوان سے توبہ کی تشریح کر چکے ہیں اسے ایک نظر دیکھ لینا مفید ہوگا)

(۳) تیسرا ظلم وہ ہے جو انسان کسی دوسرے انسان کے ساتھ کرتا ہے۔ یہ ظلم بھی ایسا ہے کہ اگر اس کی تلافی و توبہ نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اسے معاف نہ فرمائے گا جب تک بدلہ نہ دے دے۔

یہاں یہ حقیقت قابلِ غور ہے کہ حقوق العباد کو کتنا اہم مقام حاصل ہے کہ جس طرح خدا کے ساتھ ظلم (شرک) ناقابلِ معافی ہے اسی طرح اس کے بندوں کے ساتھ ظلم بھی ناقابلِ معافی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ شرک کی سزا ابدی جہنم ہے اور اس کی سزا کا انداز دوسرا ہے۔ ناقابلِ معافی دونوں ہی ہیں۔ خدا کے بندوں کے ساتھ جو ظلم کیا جائے اس کی مغفرت کی شکل یہ ہے کہ اس کا بدلہ چکا دیا جائے۔ اس کی کئی شکلیں احادیث میں بیان فرمائی گئی ہیں مثلاً:

من كانت عنده مظلمة لأخيه من عرضه او شئ منه فليحلله منه اليوم من قبل ان لا يكون دينار ولا درهم ان كان له عمل صالح اخذ منه بقدر مظلمته، وان لم يكن له حسنات اخذ من سيئات صاحبه فحمل عليه۔ (رزین)

جس شخص نے اپنے بھائی کی آبرو یا کسی اور چیز کو نقصان پہنچایا ہو وہ اس کی تلافی آج ہی کر لے یعنی قبل اس کے کوئی درہم و دینار سود مند ہو سکے (اس دن یہ ہوگا کہ) ظالم کے پاس اگر عمل صالح ہوا تو بقدر اس کے ظلم کے اس کا عمل صالح لے کر مظلوم کو دے دیا جائے گا۔ اور اگر اس کے پاس نیکیاں نہ ہوئیں تو مظلوم کی برائیاں لے کر ظالم کے سر ڈال دی جائیں گی۔

اس سے ملتی جلتی شکل ایک اور حدیث میں یوں ہے:

ان رجلا قال یارسول الله ان المملوكين يكذبوننى ويخوننى ويعصوننى واشتمهم واضربهم فكيف انا منهم؟ فقال النبى صلى الله عليه وسلم اذا كان يوم القيامة يحسب ما خانوك وعصوك وكذبوك وعقابك اياهم فان كان عقابك اياهم بقدر ذنوبهم كان كفافا لا لك ولا عليك و ان كان عقابك اياهم دون ذنوبهم اقتص لهم منك الفضل فتنحى الرجل وجعل يهتف ويبكى فقال له صلى الله عليه وسلم اما تقرأ قول الله تعالى ونضع الموازين القسط ليوم القيامة الى حاسبين؟ فقال الرجل يارسول الله ما اجد لى ولهؤلاء شيئا خيرا من مفارقتهم اشهدك انهم كلهم احرار۔

ایک شخص نے عرض کیا کہ: یارسول اللہ! میرے بہت سے خدام ہیں جو مجھ سے جھوٹ بھی بولتے ہیں، خیانت بھی کرتے ہیں، اور میری نافرمانی بھی کرتے ہیں۔ اور میں انہیں کوستا بھی ہوں اور مارتا بھی ہوں، فرمائیے میرا ان کے معاملے میں کیا انجام ہوگا؟ حضورؐ نے فرمایا: قیامت کے دن ان کی خیانت، نافرمانی اور دروغ گوئی کا اور تمہاری سزا کا جو ان کو دیتے ہو اس طرح حساب کتاب ہوگا کہ: اگر تمہاری سزائیں ان کے جرموں کے برابر نکلیں تو معاملہ برابر کا رہے گا، نہ تمہارا کوئی نفع ہوگا نہ نقصان۔ اور اگر تمہاری سزا ان کے جرم سے زیادہ نکلی تو بقیہ سزا کا تم سے بدلہ لیا جائے گا۔ یہ سن کر سائل ایک گوشے میں چلا گیا اور زور زور سے رونے لگا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ: تم نے یہ آیت نہیں پڑھی ہے کہ: ونضع الموازين القسط ليوم القيامة...... (الآیہ) (ہم بروز حشر عدل کی ترازو رکھیں گے.....) اس شخص نے عرض کیا کہ: یارسول اللہ! اپنے لئے اور ان غلاموں کے لئے اس سے بہتر اور کوئی سبیل نہیں پاتا کہ ان کو جُدا کردوں۔ حضور گواہ رہیں کہ اب یہ سب کے سب آزاد ہیں۔

ان تمام روایات کو پڑھ کر حقوق العباد کی اہمیت کا اندازہ کرنا دشوار نہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ خدا کی خدائی ہمارے ووٹوں کے بل پر قائم نہیں۔ وہ خود اپنے زور اور حقیقت پر قائم ہے۔ اگر ساری کائنات ابولہب وابوجہل بن جائے تو اسکی خدائی میں رائی برابر بھی فرق نہیں آئے گا اور اگر کائنات کا ایک ایک ذرّہ مقام پیغمبری پر پہنچ جائے تو اس کی خداوندانہ قدر وقیمت میں ذرّہ برابر بھی اضافہ نہیں ہوگا۔ وہ غنی عن العالمین ہے۔ وہ صمد ہے۔ ازلی وابدی بے نیاز ہے۔ وہ کسی کی عبادت وطاعت کا محتاج نہیں۔ اس نے جو کچھ بھی اوامر ونواہی دئے ہیں ان سے اس کا کوئی مفاد وابستہ نہیں۔ ان سارے اوامر ونواہی کا ثمرہ گھوم پھر کر اس کے بندوں ہی پر مترتب ہوتا ہے۔ اگر اس نے توحید کا پابند بنایا ہے اور شرک سے بچنے کی ہدایت کی ہے تو یہ بھی اس کی اپنی ذات کے کسی فائدے کے لئے نہیں۔ یہ بھی اسی لئے ہے کہ اس کے بندوں کے حقوق غصب نہ ہوں اور ان پر ظلم نہ ہو۔ ہمیں ذرا تلخ نوائی یا صاف گوئی کی اجازت دیجئے۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر آپ یہ دیکھنا چاہیں کہ فلاں کا خدا سے کتنا کھرا اور کس نوعیت کا رابطہ ہے تو اسے محض اس کے نماز روزے اور وظائف واوراد سے نہ جانچئے بلکہ دوسری کسوٹی پر اسے پرکھئے اور یہ دیکھئے کہ اس کا تعلق خدا کے بندوں کے ساتھ کتنا اور کس نوعیت کا ہے؟ عقائد، عبادات اور اخلاق سب کچھ اسی لئے ہے کہ انسان کے معاملات دوسرے انسانوں کے ساتھ درست رہیں۔ اگر اس میں کھونٹ ہے تو سمجھ لینا چاہئے کہ تعلق باللہ بھی کھرا نہیں۔ ایسا شخص حسب حال خود فریب بھی ہے خدا فریب بھی اور انسان فریب بھی۔

(محمد جعفر)